نمبر دار کا نیلا: مابعد نو آبادیاتی سیاق ورد استعماری مطالعہ

(Numberdar Ka Neela: A Study of Postcolonial Context & Anti-Colonialism)

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2023.07032032

ڈاکٹر محمد خرم یاسین
Dr. Muhammad Khurram Yasin
Lecturer, Govt. College Women Univeristy, Sialkot
ڈاکٹر وقار سلیم رانا
Dr. Waqar Saleem Rana
Vitting Lecturer, Allama Iqbal Open University, Islamabad
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ فاروق
Dr. Ghulam Mustafa Farooq
Assistant Education Officer, Faisalabad

Abstract:
Syed Ashraf's novel, "Numberdar Ka Neela," serves as a potent critique of the post-colonial condition. It illustrates how oppression and exploitation persist even after country gains independence. The author delves into issues like power concentration, power abuse, and resistance to oppression, set in the early 1950s post-colonial context. The central character, Thakur Odal Singh, embodies power, exploitation, and tyranny. He symbolizes the forces struggling to retain their dominance in a changing society. Thakur's authority is epitomized by his blue bull, 'Neela', representing the violent and destructive consequences of concentrated power. Despite Neela's sacred status in Hindu religion, the villagers gradually realize it is merely a tool of oppression wielded by Thakur to maintain control. The novel culminates with the villagers finally rebelling against this cruelty, resulting in Neela's defeat and disappearance, as well as the demise of Thakur and his two sons. This article critically analyzes the symbolism and postcolonial context of "Neela" in "Numberdar Ka Neela."

Keywords:
Colonialism, Anti-Colonialism, Urdu Fiction, Urdu Literature, Syed Ashraf, Numberdar Ka Neela, Hinduism, Symbolism.

ادب کبھی بھی عصری حسیت سے جان نہیں چھڑا پاتا اور بڑا ادیب اپنی ذات کے حصار سے نکل کر اجتماعی شعور و

لاشعور کا نمائندہ بنتا ہے۔ اردو ادب نے آغاز ہی سے موضوعی سطح پر ارتقائی سفر کی روایت قائم کی اور تاحال زلفِ خمِ جاناں سے اخلاق و تربیت، مذہب و تصوف، تاریخ و سیاست، سماج و معیشت، استعمار و آمریت، جدیدیت مابعد جدیدیت اور نو آبادیات سے مابعد نو آبادیات تک متنوع موضوعات و رجحانات کو اپنے اندر خوبصورتی سے سموتے ہوئے تخلیق، تنقید اور تحقیق کا سفر جاری رکھا ہے۔ یوں اردو ادب میں نہ صرف متغیر سیاسی، سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کا مقابلہ کرنے کی سکت و استعداد رہی ہے بل جراحی کا بھی پورا سامان موجود رہا ہے۔ اردو ادب کو بلاشبہ ثقافتی تعاملات کا بہترین عکاس، ملواں تہذیب کا نمائندہ، معاشرتی المیوں کا تذکیہ یا اور اجتماعی شعور و لاشعور کا بہترین مظہر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر اردو افسانہ اور ناول نگاروں کی دوسری نسل کے ایسے نمائندہ قلم کاروں کا ذکر کیا جائے جنھوں نے جرات سے قلم کی حرمت کو نبھایا اور ادبی و قومی دونوں سطحوں پر کھل کر اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ چھوڑا ہو تو سید محمد اشرف اس کی صف اول میں موجود ملیں گے۔

سید محمد اشرف کا ناول "نمبر دار کا نیلا" مابعد نو آبایاتی سیاق سے تعلق رکھتا ہے جس میں طاقت کا ارتکاز، اپنی مرضی سے قانون میں تبدیلی، غریب عوام پر جبر و استبداد اور اس کے خلاف مزاحمت، حیوانی علامت اور صنفی تعلقات کے مباحث کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا زمان و مکان بعد از تقسیم دیہی ہندوستان اور ۱۹۵۰ کی دہائی کے اوائل سے منسلک ہے۔ یہ وہ دور ہے جب برصغیر سماجی اور سیاسی تبدیلیوں سے گزر رہا تھا۔ اسے نئی نئی برطانوی راج سے خلاصی ملی تھی لیکن اس کے بعد عوامی سطح کے آقاؤں نے بالکل ویسا ہی جبر و ستم عوام پر ڈھانا شروع کر دیا تھا جیسا ان سے پہلے انگریز آقاؤں نے ڈھایا تھا۔ یوں یہ مابعد نو آبادیاتی مباحث سامنے لاتا ہے اور ایسے مسائل کی نشان دہی کرتا ہے جن سے سارا معاشرہ مسلسل دوچار تھا۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ یہ ناول ایک ایسے عہد کی داستان اور المیے کا بیان ہے جس سے مکمل خلاصی تاحال برصغیر پاک و ہند کو نصیب نہیں ہوئی۔

دنیا بھر میں جن ممالک نے استعمار کا شکنجہ کسا ان میں ہسپانیہ، پرتگال، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، بیلجیم، جرمنی، اٹلی، روس اور جاپان شامل ہیں۔ ان ممالک میں نسبتاً زیادہ ظالم ملک برطانیہ نے برصغیر کو اپنی کالونی بنایا اور کالونیل دور میں یہاں ظلم و ستم، لوٹ مار اور ہر استحصالی ہر بہ آزمایا۔ ڈاکٹر اقبال آفاقی نو آبادیاتی مسائل کی حوالے سے لکھتے ہیں:

> "نو آبادیاتی دور کی پوری داستان طاقت اور تشدد کی پرستش کے گرد گھومتی ہے۔ جنوبی امریکہ کے ہسپانوی غارت گروں سے لے کر پوری دنیا کے برطانوی فاتحین تک (جو خود بیک وقت سپرمین تھے اور مشنری بھی) سب نے تاریک زمانوں کے سپہ سالاروں کی طرح نسلی اور مذہبی عقائد کی بنیاد پر انسانیت کا قتل عام کیا۔"(۱)

برطانوی استعمار اور نو آبادیاتی دور کے اختتام پر یہ امید تھی کہ برصغیر میں امن قائم ہو گا، انصاف کا بول بالا

ہو گا اور خوش حالی گھر گھر پھیلے گی۔ بد قسمتی سے یہاں کے عوامی سطح کے نمائندے اور ان کے پس پشت طاقتوں نے اس خواب کو چکنا چور کیا اور یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں عدل و انصاف، معیاری خوراک، ابتدائی تعلیم، سائنسی ترقی اور صحت ایسے میدانوں میں یہ خطہ دنیا کے دیگر بیشتر ممالک کی نسبت بہت پیچھے دکھائی دیتا ہے۔ سید محمد اشرف نے چوں کہ مابعد نو آبادیات کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ناول تحریر کیا ہے اس لیے اس میں انھی مسائل کو زیرِ بحث لائے ہیں جن کی ضرورت تھی۔ غور کیا جائے تو نو آبادیاتی دور کا مابعد نو آبادیاتی دور سے کچھ خاص فرق آج بھی واضح نہیں دکھائی دیتا۔ اسی لیے تاحال مصنفین جب قلم اٹھاتے ہیں تو ان موضوعات پر ضرور خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں احمد سہیل کا موقف ہے:

> "نئے آزاد ہونے والے ممالک اسی پرانے خول میں بند ہیں۔ نو آبادیاتی نظام سے آزادی کے بعد چاہے وہ ہندوستان ہو یا الجزائر، سوڈان ہو یا انڈونیشیا، تقریباً ادب و فن پر سابقہ سامراجی اثرات قائم رہے کیوں کہ نو آبادیاتی نظام کی جڑیں مکمل طور پر نہیں کاٹی گئی تھیں۔ لہٰذا ان ممالک کے فکری افق پر منافقت، سودے بازی اور نعرے بازی کی قوتیں کچھ ایسی حاوی رہیں کہ نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا پانا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ فرد ہو یا حکومت، ایک طبقہ ہو یا ایک معاشرہ، ہر مقام پر سمجھوتے کیے گئے اور پس نو آبادیاتی ادب و فکر میں التباس کی دھند پھیلی۔ تقریباً سبھی چھوٹے بڑے سابقہ غلام ممالک کی واضح فکری قدر نہ اپنا سکھ اور نہ ہی کوئی مستحکم نظام ان کے حصے میں آیا۔ وہی دو ممالک جو ایک ہی نو آبادیاتی شکنجے سے آزاد ہوئے، ایک دوسرے کے دشمن ٹھہرے جن کے خوابوں کو پانے کے لیے سامراجی نظام سے ٹکر لی گئی، بعد میں وہ سب ہی منافقت، زر پرستی اور اقتدار پسندی کی نذر ہو گئے۔ فرد سے فرد کا قلبی رشتہ کٹ گیا۔ فکری اور عمرانیاتی آدرش بکھر بکھر کے ریزہ ریزہ ہو گئے تو فرد کو اپنے پھسپھسے اور کھوکھلے نظریات اور رجحانات کا احساس ہوا۔"(۲)

یوسف نون بھی اپنے مضمون میں اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ "نمبر دار کا نیلا" ایک علامتی اور سماجی ناول ہے۔ فیوڈل ازم، طبقاتی افتراق، سیاسی و سماجی جبر و استبداد اور اسے طول دینے والے خوف و طاقت کے مہروں سے لے کر سرچشموں تک کے تمام موضوعاتی پہلو اس ناول میں سموئے گئے ہیں۔ فیوڈل ازم، سیاست اور بنیاد گزاری کے تحت پنپنے والی رجیم کے خاص مائنڈ سیٹ اور اس کے پیچھے کار فرما غیبی طاقتوں اور ان کے خوف کو نیلے کے علامتی روپ میں متشکل کیا گیا ہے۔(۳) ناول کا مرکزی کردار ٹھاکر اودل سنگھ نمبر دار ہے۔ وہ طاقت، استحصال اور آمریت کے استعارے کے روپ میں سامنے آتا ہے اور ہندوستانی تاریخ کے ایک اہم موڑ کی عکاسی کرتا ہے۔ نمبر دار ایسی طاقتوں کی نمائندگی کرتا ہے جو بدلتے ہوئے معاشرے میں اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے لڑ رہی تھیں۔ نو آبادیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو نمبر دار

کو برطانوی استعمار کا نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک خود غرض اور لالچی انسان، غیر جمہوری حکمران، اور جاگیر دار ہے جو اپنی طاقت کو ظلم اور جبر کے ذریعے برقرار رکھتا ہے۔ وہ گاؤں والوں کی زندگیوں پر استحصال اور جبر کا شکنجہ کس دیتا ہے اور انھیں اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے نمک خواروں اور وفاداروں کو بڑی بڑی جاگیریں بانٹی تھیں اور انھیں برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ یہ طاقت مابعد نو آبادیات بھی جاری رہی:

"(ناول) میں کچھ ایسی مقتدر سیاسی و سماجی طاقتیں ہیں جو حقائق کو عین اپنے مفادات کے مطابق تشکیل دینے میں قدرت رکھتی ہیں۔ ان تشکیل کی گئی حقیقتوں کے بیچ اصل حقائق کہیں دب کر رہ جاتے ہیں۔"(۴)

ٹھاکر اودل سنگھ اپنے اثر ورسوخ اور شاطر چالوں سے سارے علاقے کو بے بس اور پابہ زنجیر رکھتا ہے۔ وہ علاقے کے پنڈت اور تھانیدار یعنی مذہب اور عدلیہ دونوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے اور وہ دونوں ذاتی مفادات کے لیے بخوشی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ ٹھاکر طاقت اور اقتدار کی وجہ سے عوام پر ظلم وستم کے کئی واقعات ہوتے ہیں۔ وہ عوام سے بھاری ٹیکس وصول کرتا ہے، انھیں اپنے کام کرنے پر مجبور کرتا ہے، اور انھیں اپنی زمینوں سے بے دخل کرتا ہے۔ یہ ظلم وستم عوام کی زندگیوں کو تباہ کر دیتا ہے، اور یہ معاشرے میں بدامنی اور عدم استحکام پیدا کرتا ہے۔ یوں ناول مظلوم ومقہور طبقے کے اجتماعی شعور ولاشعور کا نمائندہ بن کر سامنے آتا ہے:

"نو آبادیاتی نظام سے آزادی کے بعد چاہے وہ ہندوستان ہو یا الجزائر، سوڈان یا انڈونیشیا، تقریباً ادب وفن پر سابقہ سامراجی اثرات قائم رہے کیوں کہ نو آبادیاتی نظام کی جڑیں مکمل طور پر نہیں کاٹی گئی تھیں۔ لہٰذا ان ممالک کے فکری افق پر منافقت، سودے بازی اور نعرے بازی کی قوتیں کچھ ایسی حاوی رہیں کہ نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا پانا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔"(۵)

ناول کا دوسرا اہم ترین کردار نیل گائے کی نسل سے "نیلا" ہے۔ یہ استحصالی طبقے کی طاقت، غرور، اقتدار اور لمبے ہاتھ کی علامت ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جو اولاً صاحبِ اقتدار طبقہ اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال کے لیے پالتے ہیں اور پھر ایک دن یہی طاقت بدمست ہو کر انھیں کچل ڈالتی ہے۔ غور کیا جائے تو سید اشرف ٹھاکر کے نیلے کی جگہ غنڈے اور بدمعاش کردار بھی پیش کر سکتے تھے لیکن انھوں جبر وتشدد کے لیے نیلے کا علامتی استعمال کیا جس کی ایک وجہ محمد ہادی حسین کے اس بیان سے سمجھ آتی ہے:

"علامتی اظہار نہ صرف تزئین کلام، تصریحِ مطالب اور لطف سخن کا موجب ہے بل کہ دور از فہم حقائق کو سمجھنے سمجھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔"(۶)

نیلے کی علامت بلاشبہ اساطیری طرز کی ہے لیکن اسے نئی معنویت دی گئی ہے۔ اس سے قبل اردو ادب میں نیل

گائے کی علامت کو اس زمرے میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ ایک جانب وہ گئوماتا کا اوتار ہے جو ہندو مذہب میں دیوی اور بھگوان کا درجہ رکھتی ہے دوسری جانب یہ تشدد، جبر اور ظلم کا روپ لیے ہوئے ہے۔ صدام حسین نیلے کی علامتیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''نیلا'' نامی جانور کو علامتی روپ دے کر انسان کی خود غرضی، مکاری، فریب دہی، ظلم و ستم اور استحصال دیگر اں کو بیان کیا گیا ہے۔ پلاٹ کے لحاظ سے ناول کے تمام واقعات ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ناول میں پیش کردہ تمام چیزیں فطری اور حقیقی معلوم ہوتی ہیں اور انسان کی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔۔۔اس میں ہندوستان کی سیاسی قیادت میں در آئی خامیوں کو ایماندارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔۔۔بائیس سال قبل لکھے گئے ناول میں بیان کردہ حالات آج کے ہندوستان سے پوری طرح مماثلت رکھتے ہیں۔۔۔''(۷)

جانوروں کی علامیت (انگریزی) کتاب میں گائے کو عالمی سطح پر عموماً مثبت طاقت، زمین سے منسلکہ اور اس کی پرورش میں مستعمل امن پسند جانور اور دیوی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بال خصوص ہندو دھرم میں تو اس کی خاص عزت ہے، ماتا کا درجہ دیا جاتا ہے اور بھگوان کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ ایسے میں سید اشرف نے اسے نئی معنویت دی ہے جو خصوصی توجہ کی مستحق ہے ورنہ عموماً گائے اور بیل کی علامت سے متعلق عالمی ادب یہی نقطہ نظر پیش کرتا ہے:

> *"When linked with the primigenial goddess Neith, the cow is a mother-symbol, representing the primal principle of humidity and endowed with certain androgynous—or gynandrous, rather—characteristics. In Egypt it was linked with the idea of vital heat. Vac, the feminine aspect of Brahma, is known as the 'melodious Cow' and as the 'Cow of abundance."*(8)

نو آبادیات کے انسانوں پر نفسیاتی اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ بعد از نو آبادیات بھی اس چکی میں پسنے والے افراد خود کو ظالم و جابر کے خوف کے سے باہر نہیں نکال پاتے ہیں۔ نیلا جس نے کئی دیہاتوں کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں اور منھ زور قاتل کی صورت میں کہیں بھی، کسی کی بھی جان لینے سے پرہیز نہیں کرتا، بہت سست روی سے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف شکایات درج کروائی جاتی ہیں، سرکاری مشنری عرصہ دراز کے بعد حرکت میں آتی ہے اور لوگ اپنے تئیں بھی اسے مار ڈالنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے میں جب کہ ان کی تعداد ساٹھ ساٹھ کے جتھوں کی ہے اور ان کے ہاتھ میں لاٹھیاں اور ہتھیار موجود ہیں، وہ اس کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں۔ ایک عجیب خوف ان کے دل و دماغ پر سوار رہتا ہے۔ یہ محض ایک جانور کا خوف نہیں ہے بل کہ وہ خوف ہے جس کے تحت وہ

کتنے عرصے سے زندگی گزارتے آرہے تھے، یہ نظام اور استعماری قوتوں کا خوف ہے جس نے انھیں نفسیاتی عارضے "فوبیا" میں مبتلا کر دیا ہے۔

> "ارہڑ کے اس لمبے چوڑے کھیت کے گھیرے میں لیے پچاس ساٹھ آدمیوں کی موجودگی کے باوجود غضب کا سناٹا تھا۔ پاگل نیلا اسی کھیت میں کسی جگہ موجود تھا۔ لاٹھیاں ڈنڈے اور سانٹھیں تھامے وہ سارے آدمی پنجوں کے بل چل رہے تھے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے۔ اگر کھڑی فصل میں سے نمودار ہو کر اپنے نکیلے سینگوں پر رکھ کر ریلتا ہوا پٹخیاں دیتا ہوا، کھروں سے کھوندا تا ہوا لہولہان کرتا ہوا وہ بھاگے تو کیا ہو گا۔ یہی سوچ ہر آدمی کے کانوں میں دھڑکن بن کر دھک دھک کر رہی تھی۔"(۹)

ٹھاکر سے نیلے کی ملاقات کو ڈرامائی ماحول فراہم کیا گیا ہے۔ ایک دن ایک زخمی نیل گائے جسے کتے بھنبوڑ رہے تھے، فصلوں سے برآمد ہوئی اور کتوں کے ڈر سے پھر سے بھاگ گئی۔ اس کے دو بچھڑے پیچھے رہ گئے جنھیں ٹھاکر نے باندھ دیا۔ ان میں سے ایک درخت سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر گیا دوسرے کے پاؤں باندھ کر بچا لیا گیا۔ ٹھاکر نے یہ سوچ کر کے یہ اس کے لیے فائدہ مند ہے، طاقت میں اضافے کا سبب ہو گا اور کسی کتے کی نسبت زیادہ آسانی سے رکھوالی کر سکے گا اسے پالنے کا فیصلہ کیا۔ ایک جانب گاؤ ماتا ہونے کے ناطے لوگ اس کو کچھ کہہ نہ سکیں گے دوسری جانب اس کی طاقت اور جثہ کی وجہ سے لوگ اس سے خوف کھائیں گے۔ استعماری قوتیں، چھوٹی قوتوں کی پرورش کرتے ہوئے مستقبل سے بے خبر ہو کر عموماً ایسے ہی نظریات رکھتے ہیں:

> "اول تو یہ گئو ماتا ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ یہ بڑا ہو کر اجنبیوں کو اپنے سینگوں سے لہولہان کر کے انھیں اپنے کھروں سے کچل سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اسے کھلانے لانے کا کوئی خاص خرچہ نہیں ہو گا۔ کبھی کبھی اپنے کھیتوں کا چارا بھی کھا لیا کرے گا۔"(۱۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نمبر دار کے پاس ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اس کے سیاہ و سفید میں مدد کرتے اور اس کے گھر کی رکھوالی کرتت، ایسے میں وہ نیلے ہی کو کیوں پالنا چاہتا تھا اور وحشت و دہشت کے روپ میں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حویلی میں اپنا سارا کالا دھن چھپاتا تھا تا کہ ٹیکس سے بچا جا سکے اور کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہ غریب مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی کو سود کی صورت میں موصول کرتا تھا اور زرِ ضمانت کے طور پر بھی ان کی ماں بہنوں اور بیگمات کے زیورات پر قبضہ جمائے رکھتا تھا۔ اس کی فصل چوں کہ وسیع ہوتی تھی اور اس سے کثیر اناج برآمد ہوتا تھا اس لیے وہ اناج کو مہنگا کرنے کے لیے بہت سا کولڈ سٹوریج میں بھی رکھوا دیتا تھا لیکن ایک بھی جگہ اس کا اندراج اس کے اپنے نام نہیں ہوتا تھا۔ یہ سارا اندراج ان غریب کسانوں کے نام ہوتا تھا جنھیں اس کی دور تک خبر بھی نہ

تھی۔ یہ المیہ عصرِ حاضر کا بھی المیہ ہے۔ اگر کبھی چھاپہ پڑتا تو ٹھاکر کے ظلم سے بچنے کے لیے وہ ساری فصل اور اس کی آمدن کو بھی اپنی ملکیت تسلیم کر لیتے۔ اس نے اپنا کالا دھن چھپا کر رکھا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے محافظ بھی تعینات کیے ہوئے تھے لیکن ایک بار کچھ شاطر ڈاکو انھیں نشہ پلا کر کچھ مال لوٹ کر لے گئے۔ ٹھاکر اسی وقت سے اس سلسلے میں ہوشیار رہنے لگا تھا حالاں کہ اس نے دولت چھپانے کی خفیہ جگہ تعمیر کرنے والے غریب راج مستری کو پہلے ہی تعمیر سے اگلے دن قتل کروا دیا تھا:

> ”تینوں ڈبوں میں وہ سارے سونے کے زیور ویسے کے ویسے ہی موجود ہیں جو ادھار لینے والوں نے ضمانت کے طور پر رکھوائے تھے اور جو سودا ادا نہ کرنے کے تاوان میں ڈوب گئے تھے اور ٹھاکر اودل سنگھ کی دولت کے سمندر میں ابھر آئے تھے۔ وہ لگ بھگ گیارہ سیر سونے کے زیور تھے۔ اس خزانے کو شہر کی کوٹھی میں رکھنے کا مطلب تھا انکم ٹیکس والوں کے خوف سے خود کو بے خواب رکھنا۔ قصبے کی حویلی میں جو خفیہ جگہ بنوائی تھی اور جسے بنانے والے راج مستری کے کپڑے تعمیر کے دوسرے دن نہر کنارے پائے گئے تھے، وہ اس نقدی کے لیے ناکافی تھی جو ٹھاکر اودل سنگھ نے شہر کے کولڈ اسٹور اور قصبے کی چیئر مینی سے پیدا کی تھی۔ کولڈ اسٹور میں ۹۰ فیصد آلو ان کا خریدا ہوا تھا لیکن حساب کی کتابوں میں اس کا اندراج دیہات کے کسانوں کے نام ہوتا تھا۔۔۔ کسانوں نے سارے اندراجات اپنے نام میں قبول کیے۔ یہ سارے کسان وہ تھے جو ٹھاکر اودل سنگھ کی گڑھی سے برسات اور سردیوں میں اپنے گھر کے زیور رکھ کر قرضہ اٹھاتے تھے۔“(۱۱)

انگریز کے بعد ہندوستان میں نو آبادیات کے جو بہت سے اثرات باقی رہ گئے تھے ان میں سب سے بڑا مسئلہ وڈیروں، چودھریوں اور پنڈتوں کے ظلم و ستم کا تھا۔ وہ نہ تو قوم کو ترقی کرنے دینا چاہتے تھے، نہ تعلیم حاصل کرنے دینا چاہتے تھے نہ ہی عدل و انصاف چاہتے تھے۔ انھوں نے ارتکاز دولت اور عدل و انصاف کی غیر موجودگی اور اختیارات کے غلط استعمال سے لوگوں کو کے گرد ایسا نہ دکھنے والا جال بن دیا تھا جس سے وہ نکل نہیں پاتے تھے۔ عوام کو پھانسنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ان پر زندگی کے دروازے بند کر دیے جائیں اور وہ جب قرض لیں تو انھیں سود کے شکنجے میں اس مضبوطی سے جکڑ دیں کہ وہ کبھی باہر نہ نکل سکیں دوسرا یہ کہ عوام میں سے کچھ کو اپنے بہت قریب کر لیں اور دیگر پر ظلم کا ایسا نظام رائج کریں کہ فرد کی انفرادیت اور تشخص ختم ہو جائے اور وہ محض ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بیٹھنے ہی میں عافیت سمجھے۔ برصغیر میں موروثی سیاست نے اسے تباہی سے بہت دیر تک دوچار کیے رکھا ہے اور یہ مظہر اب بھی دیکھے میں آتا ہے۔ چوں کہ لوگ نو آبادیات کے سحر سے ذہنی طور پر سست روی سے آزاد ہو رہے تھے اس لیے انھوں نے موروثی سیاست سے بھی نکلنے کی تگ و دو شروع کر دی تھی لیکن ان کی آواز دبی دبی تھی اور اس میں زیادہ دم خم نہ تھا۔ ایسے میں

جب کہ لوگ "ہر بار ٹھاکر ہی کیوں" ایسے نعرے لگا رہے تھے، ٹھاکر ایک اور چال چل کر بازی اپنی جانب پلٹ دی۔ وہ ان ممبروں کو اغوا کروالیتا، دھمکیاں دیتا ہے اور مظالم ڈھاتا ہے جو اس کے خلاف ووٹ دے سکتے تھے۔ اس طرح وہ انھیں اپنا ہم نوا بنا کر چیئر مین کی نشست پر کامیاب ہوا۔ انھی ممبران میں سے ایک جھمن کا کردار دکھایا گیا ہے جسے وہ اغوا کر لیتا ہے اور خود ہی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا دیتا ہے تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔ مخالف امیدوار محمود، اصل معاملے کی تہہ تک پہنچ کر اودل کے خلاف درخواست دے دیتا ہے۔ پولیس ایسے میں بک جاتی ہے اور تفتیش کچھ یوں ہوتی ہے:

> "دن میں ٹھاکر صاحب قصبے کی حویلی میں پولس کے سب انسپکٹر انچارج کو کھانے کی میز پر تفتیش کراتے اور رات کو ۱۲ بجے کے بعد گاؤں پہنچ کر گڑھی کے تہہ خانے میں جھمن کو ڈنڈے پر کپڑا لپیٹ کر پٹواتے۔ چناؤ سے ایک دن پہلے انھوں نے جھمن کو سمجھایا کہ ہمارا ساتھ دینے میں تمھارا جو فائدہ ہے اسے تم سمجھ نہیں پا رہے ہو۔ ایک تو یہ کہ تمھیں چیئر مین بننے کے بعد صفائی کا ممبر انچارج بنا دوں گا۔ صفائی کے عملے کی آسامیاں تم اپنی مرضی سے بھرنا۔ قصبے میں نل لگوانے کا کام بھی تمھارے ہی سپرد ہو گا۔ ۱۰۰ نل منظور ہوتے ہیں تو کم از کم پندرہ ضرور لگوانا ہوں گے۔ روزانہ سڑک کی نالیوں پر چونا ڈلوانے کا ایک بجٹ ہوتا ہے۔ اس پیسے سے تم دھرم کے کام میں لگا سکتے ہو جیسے اپنی بیٹی کی شادی کا کھانا اور کپڑے وغیرہ۔"(۱۲)

یہ ہی نہیں ٹھاکر نے جمعدار کو دھمکی دینے کے لیے اس کی بیٹی کو اٹھوانے کی بات بھی کی۔ یہ دھمکی عموماً کم جرات مند اور غیور لوگوں پر فوراً کارگر ہوتی ہے۔ اب جمعدار کے پاس ماننے کے سوا اور کیا چارہ تھا۔ اس خدشے سے کہ کہیں جھمن اب بھی نہ مانے اس نے اسے خود جان سے مار دینے کی دھمکی بھی دی۔ جھمن کی ڈر کے مارے گھگی بندھ گئی اور وہ مان گیا۔ اسے تین دن کی مار پیٹ کے بعد چھوڑا گیا تھا، اس نے بجائے احتجاج کے اودل کا شکریہ ادا کیا اور اس کے حق میں اگلے دن ووٹ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔

> "ہاتھ کے آزاد ہونے کا جو واحد فائدہ جھمن کی سمجھ میں آیا وہ یہ کہ اب اطمینان سے جھک کر دونوں ہاتھ جوڑ سکتا تھا۔ اس نے یہی کیا۔"(۱۳)

جب جھمن سے تھانے دار نے اس کی گمشدگی کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ محمود کے ڈر سے دلی بھاگ گیا تھا اور اب پہنچا ہے۔ تھانے دار نے رپورٹ میں اودل سنگھ کا شکریہ ادا کیا۔ طاقت کا توازن اب اودل کی جانب تھا کیوں کہ وہ اب چیئر مین بن چکا تھا۔ یقیناً اس نے جیتنے کے لیے دیگر لوگوں کے ساتھ بھی اسے ہی ہتھکنڈوں کا استعمال کیا تھا۔ ایک جانب ٹھاکر کی اپنی شیطانی فکر جاری تھی، دوسری جانب نیلا غیر ضروری غذا اور سرسوں کا تیل، بادام، مونگ پھلیوں پر پل کر ایسا ہتا کٹا ہو گیا تھا کہ ایک ہی ٹکر میں کسی بھی انسان کا کام تمام کر سکتا تھا۔ ٹھاکر خوش تھا اور اس جنگلی

وحشی جانور کو اس انداز سے اپنے قابو میں کیا تھا کہ پہلے خوب کھلایا پلایا، پھر بھوکا رکھا اور اپنی مرضی سے خوراک دی۔ جس طرح کتے کو سدھایا جاتا ہے، ایسے ہی وہ ٹھاکر کے سدھائے میں آ گیا اور اس کے اشارے پر ناچنے لگا۔ ٹھاکر نے نیلے کو اپنے قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں سے واقف کرایا تاکہ وہ انھیں نقصان نہ پہنچا سکے جب کہ دیگر تمام کی خوں ریزی اور ان پر چڑھ دوڑنے کے لیے ہمیشہ تیار ملا۔ ایک دن اس نے غریب شامو کو ٹکر مار کر اس کی کمر توڑ ڈالی۔ ٹھاکر اس پر تشویش کے بجائے خوش ہوا۔ اس نے اسے مذہبی رنگ دے دیا تاکہ آئندہ کبھی بھی اس کی جانب کوئی شکایت نہ آئے اور لوگ اسے گاؤماتا کا اوتار سمجھ کر قبول کریں اور اس کی ساری شرارتوں کو بھی یہ سمجھیں کہ یہ ان کے گناہوں کی سزا ہے:

"یہ گئوماتا کا اوتار ہے۔ دشٹ لوگوں کا ٹھیک ٹھیک پربندھ رکھے گا۔"(۱۴)

اس پر شکایت لانے والوں میں سے کچھ نے نیلے کے آگے جھک کر باقاعدہ اسے سلام بھی پیش کیا۔ کبھی نیلا گڑھی میں ہوتا اور کبھی قصبے کی حویلی میں تاکہ دونوں جانب اس کی مسلسل دونوں جانب دہشت قائم رہے۔ اب نیلے میں انسانوں کے درمیان رہنے کا حوصلہ آ گیا تھا اور وہ یہ بات جان گیا تھا کہ انسان اس کے جثہ اور طاقت سے خوف کھاتے ہیں۔ طاقت کے نشے میں چور کبھی وہ چلتے لوگوں کے درمیان گھس جاتا، سینگوں سے راستہ بناتا، کسی کی کھال ادھیڑ کر رکھ دیتا، مزدوری لینے آئے مزدوروں پر چڑھ دوڑتا، پڑوسی گھروں میں گھس کر ان کے مٹی کے برتن توڑ ڈالتا۔ قصبے میں لوگ نیلے سے اپنی عزت اور سامان بچانے لگے۔ وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کرتے لیکن ٹھاکر یہ بھی برا لگتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی طاقت کے نشے میں سب کچھ بہہ جائے۔ ایک ایسا ہی واقعہ گلفام کا تحریر کیا گیا ہے۔ وہ بیچارہ خوانچہ فروش ہے اور امرود بیچتا ہے۔ نیلے نے نہ صرف اس کے امرود کھائے، ہٹانے پر اس کے بقیہ امرود کچل دیے اور جب اس حرکت سے روکا تو اس نے اس پر حملہ کر کے اس کے بازو کو زخمی کر دیا اور قمیض پھٹ گئی؛ وہ اس کا ہرجانہ چاہتا تھا۔ ٹھاکر نے غلطی تسلیم کرنے کی بجائے الٹا اسے ہی ڈانٹا اور الزام اس کے سر بڑی شاطر بازی سے دھر دیا۔ کہنا لگا:

"تم نے اس وقت تک تہہ بازاری کا پیسہ نہیں بھرا تو اس کا مطلب ہے صبح سے شام تک تم غیر قانونی انداز میں بیٹھے۔ بولو جواب دو۔۔۔ تم کئی بار امرودوں کی تعداد بدل چکے ہو۔ بولو کتنے امرود کھائے۔ سات بار یا چھ بار۔۔۔ سب لوگ ٹھٹھا مار کر ہنسنے لگے۔ گلفام ان کی طرف بے بس نظروں سے دیکھتا رہا۔۔۔ کیا اس کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ نیلے نے اس کو لات ماری جب کہ خود یہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ اس نے بغیر کسی اشتعال کے نیلے کو دو مرتبہ دھکا دیا۔"(۱۵)

اس بیچارے کی دادرسی تو کیا ہوتی، سب طاقت کے سامنے جھک گئے اور اس پر معصوم گئوماتا پر حملے کا الزام الگ لگا۔ اس پر اسے سو مرتبہ اٹھا بیٹھی کی سزا الگ ملی اوپر سے اسے بقیہ امرود بھی معصوم گئوماتا کو کھلانے پڑے۔ یوں نیلا اس کے مذموم عزائم میں مسلسل کامیابی کی منازل طے کروانے میں مدد کر رہا تھا۔ ٹھاکر خود یہ سوچتا تھا کہ اس دولت اور

شہرت کے پیچھے نیلے کا بڑا ہاتھ ہے:

"جب سے وہ دیہات اور قصبے کی دولت کی حفاظت سے بے فکر ہوئے ہیں، سیاست اور تجارت میں خوب وقت دینے لگے ہیں۔ تو ان کی توجہ اور وقت دینے کی وجہ سے سیاست اور تجارت پہلے سے کئی گنا ترقی پر ہیں یعنی ان سب ترقیوں کے پیچھے اس نیلے کا ہاتھ ہے۔"(۱۶)

گزرتے حالات و واقعات کے ساتھ نیلے کے حوالے سے لوگوں کے رویے میں واضح تبدیلیاں رونما ہوئیں تھیں۔ وہ ٹھاکر کے خلاف تو آواز اٹھا سکتے تھے، نیلے کے خلاف اٹھانا ایک طرح سے دھرم کے خلاف آواز اٹھانے کے برابر تھا۔ بہت سے غیر جانب دار افراد اس لیے بیچ میں آجاتے تھے کہ کسی طور دھرم پر آنچ نہ آئے۔ کچھ لوگ اپنے ذاتی مفاد کے لیے ٹھاکر اور نیلے کی طرف داری کرتے تھے۔ نتیجتاً نیلے کو ایک طرح سے سیاسی پناہ مل گئی تھی۔ اب وہ زیادہ آزادی کے ساتھ لوگوں کی جان اور مال سے جس طرح چاہے سلوک کر سکتا تھا۔ اس میں ٹھاکر اور نیلا دونوں کا ہی فائدہ تھا۔ جب کسی کا نقصان ہوتا تو ٹھاکر اور اس کے ساتھی اسی کی غلطی ثابت کر دیتے اور وہ روتا تڑپتا رخصت ہو جاتا۔ اس سے لوگوں کی ہی ذہن سازی ہو گئی کہ یہ مسئلہ کسی طور حل ہونے کا نہیں ہے:

"ٹھاکر صاحب اگر براہِ راست کسی کو کوئی گزند پہنچائیں گے تو اس کی تو داد فریاد ہے لیکن نیلے کی کسی حرکت کی داد فریاد اس لیے نہیں ہے کہ اس کی حمایت میں ٹھاکر صاحب کے علاوہ بہت سے غیر جانب دار لوگ بھی شامل ہو جاتے تھے۔ کوئی نیلے کو برا کہہ کر خوامخواہ شراپ بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔۔۔ آہستہ آہستہ صورتِ حال کچھ یوں ہو گئی کہ جو لوگ نیلے سے مضروب بھی ہوتے وہ بھی اس بات کا کھلم کھلا اعتراف نہیں کرتے مبادا انھی کی کوئی غلطی سامنے آجائے۔"(۱۷)

ٹھاکر نیلے کے خلاف شکایات سنتا تو اکثر کہتا کہ وہ اسے سمجھا دے گا۔ ٹھاکر اس بات سے یا تو بالکل بے خبر تھا کہ جانور کو سمجھایا نہیں جا سکتا یا پھر وہ اس کی طاقت کے نشے میں خود بھی چور تھا۔ نیلے کا دماغ کسی شیطان چرخے کی طرح چلنے لگا تھا اور وہ اب اس قابل ہو گیا تھا کہ با آسانی خود بخود گاؤں سے شہر تک ٹھاکر کی حویلی پہنچ سکے۔ ٹھاکر اس کی بدلتی فطرت سے جان بوجھ کر آنکھیں موند چکا تھا۔ اس کی تیزی، انسانی دماغ کی طرح سوچنے کی صلاحیت اور دور تک پیچھا کر کے دشمن کو ختم کرنے کی استعداد خطرناک حد تک بڑھ رہی تھی۔ اس کی دست درازیاں بھی حد سے تجاوز کرنے لگی تھیں۔ وہ سکول میں جا کر تباہی مچاتا، ہیڈ ماسٹر کی کرسی اٹھا پھینکتا اور بچوں کو روندتا آگے نکل جاتا۔ اس نے ننھے بچوں کو سخت زخمی کیا تھا۔ پنچایت ہوئی تو ٹھاکر نے انھی آٹھ بچوں کو مجرم قرار دے دیا کہ انھوں نے نیلے کو چھیڑا ہو گا۔ حقیقت یہ کہ جب تک جرم کی پشت پناہی نہ کی جائے تب تک وہ پنپتا اور پھلتا پھولتا نہیں ہے:

"ٹھاکر نے ان بچوں کے والدین کو بھری پنچایت میں سمجھایا کہ یہی آٹھ بچے نیلے کو پتھر مار مار کر پریشان کرتے ہیں ورنہ ڈیڑھ سو بچوں میں صرف انھی آٹھ کو کیوں پسند کرتا۔"(۱۸)

نیلے کو روکا نہ گیا، اس نے کھیت میں گھس کر بھیکو کی جوان بہو کی آنتیں ایک ہی ٹکر میں نکال دیں۔ تیسرے دن لوگوں نے پنچایت بٹھائی۔ مندر کا پجاری دراصل دولت کا پجاری بن گیا اور حق انصاف کی بات کہنے کے بجائے وہ ٹھاکر کے ڈرامے میں پورا پورا شریک ہوا۔ ٹھاکر نے کہا کہ میں تو گئو کی سیوا کرنا اپنا حق سمجھتا ہوں اور تم سب کہتے ہو تو اسے گولی مار دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بندوق کی جانب بڑھا کہ پجاری نے سوچا سمجھا کردار ادا کیا۔ اس نے ایسا دہشت ناک نقشہ کھینچا اور وعظ کیا کہ لوگ سہم گئے، ڈر کے مارے منھ چھپانے لگے اور اس مقدس گاؤ ماتا کے اوتار کے مالک شاطر ٹھاکر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے نیلے کو گولی نہیں مار دی ورنہ ان پر آسمانی عذاب نازل ہوتا:

"کیا بکتا ہے مورکھ۔۔۔ گئو کا شراپ گاؤں پر ڈالے گا۔۔۔؟ اگر گئو بدھ ہوا تو گاؤں میں پہلے تو ہیضے کی وبا آئے گی جو خاص طور پر سے گود کے بچوں کو چن چن کر لے جائے گی۔۔۔ پھر تیز موسلا دار بارش ہو گی اور کھیتوں کے پودے جڑ سمیت نکل کر اسی سیلاب میں بہہ جائیں گے۔ پھر آندھیاں آئیں گی اور درخت یعنی برگد جیسے بڑے ورکش بھی اپنی جٹاؤں کو سمیٹ کر دھرتی سے نکل کر زمین پر بچھ جائیں گے۔۔۔ پنچایت جب چھٹی تو سبھی لوگ اودل سنگھ کے شکر گزار تھے جنھوں نے آج نیلے کو گولی نہ مار کر سارے گاؤں کو مختلف آفتوں سے بچالیا تھا۔"(۱۹)

ٹھاکر کے بڑے چھوٹے بیٹے اونکار کو بھی اپنے باپ ہی کی طرح سفاک اور شاطر دکھایا گیا ہے۔ وہ بڑی استحصالی طاقت کی پناہ میں پنپتی چھوٹی استحصالی طاقت ہے۔ اس نے دو دوستوں کی مدد سے ایک شریف النفس نوجوان کمہارن بڑکی کی عزت لوٹی اور الزام الٹا اس کے ہونے والے شوہر کے دوستوں پر لگا دیا۔ خود رپورٹ بھی اونکار ہی نے لکھوائی۔ اس کے غریب منگیتر کو گرفتار کر لیا گیا، منگنی ٹوٹ گئی اور بڑکی عمر بھر کے لیے ذلت و خواری کی تصویر بنی رہ گئی۔ ٹھاکر کو معلوم ہو گیا کہ یہ اس حرکت اس کے بیٹے کی ہے اور اس حرکت کے دوران بڑے بیٹے کی بیوی یعنی اس کی بہو کی عزت سے بھی کھیلا گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود اس نے اونکار کو کچھ خاص نہیں کہا۔ وہ رپورٹ اس لیے نہیں لکھوانا چاہتا تھا کہ اس طرح نیلے کا ڈر لوگوں کے دل سے کم ہو جائے گا اور وہ سمجھیں گے کہ اب گڑھی میں با آسانی آیا جا سکتا ہے۔ مجرم پکڑنے کا مرحلہ آیا تو شناخت پریڈ کے دوران ٹھاکر نے اپنے دشمنوں پر الزام لگایا اور غریب امرود فروش گلفام کے بڑے بھائی کو پکڑوا دیا کہ اس نے انتقاماً ایسا کیا تھا۔

مابعد نو آبادیات میں ایک بڑا مسئلہ مذہبی منافرت، مسلکی اختلافات اور ان کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جانے کا بھی رہا ہے۔ یہ موضوع بھی اس ناول میں شامل کیا گیا ہے۔ ایک دن محمود جو کہ ٹھاکر کا سیاسی حریف

تھا، ٹھاکر اس کی بیٹی کی شادی میں گیا اور ساتھ نیلے کو بھی لے گیا۔ شادی سے واپسی پر نیلے نے ایک گائے کو ہری ہوتے دیکھا اور اپنے وحشی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ اندھا دھند بھاگا اور بھاگتے ہوئے جو اس کے سامنے آیا اس کو رگید تا گیا۔ اس نے مسجد کے قاری صاحب کو بھی الٹا اٹھا پھینکا جنھیں نہایت نازک حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ یوں معاملے کو مذہبی رنگ ملا اور سینکڑوں لوگوں کا ہجوم بلوے کو تیار ہو گیا۔ جواباً ہندو بھی گئو ماتا کو بچانے کے لیے نکلے اور ٹھاکو تھانے کو بطور محفوظ پناہ گاہ منتقل کر دیا گیا۔ معاملہ تھانے گیا تو ٹھاکر نے غلطی تسلیم کرنے یا نیلے کو جنگل میں چھوڑنے کے بجائے الٹا الزام محمود کے بڑے بیٹے کے سر دھر دیا کہ اس نے نیلے کو کچھ ایسا کھلایا ہے کہ وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے نیلے کو خوش کرنے کے لیے گڑ کھلایا تھا جو نیلے کی عام خوراک تھی لیکن اس کے چوں کہ گواہ بھی موجود تھے اور ٹھاکر نے تھانے دار سے ساز باز بھی کر لی تھی اس لیے سارے معاملے کو پلٹتے ہوئے وقت نہیں لگا۔ تھانے دار نے بھی رپورٹ ٹھاکر کے خلاف لکھنے کے بجائے جانور کے خلاف لکھنے کا بہانہ بنایا اور ٹھاکر نے محض نیلے کو محض جانور سمجھ کر خدمت کرنے اور سرپرستی قبول نہ کرنے کا اظہار کیا۔ یوں سارا معاملہ ہی ختم ہو کر رہ گیا۔ تھانے دار کا بیان ملاحظہ کیجیے جو کس پینترے سے رپورٹ لکھنے کی سوچ رہا ہے اور درپردہ ٹھاکر اور نیلے کو بچا رہا ہے:

> "میں اپنی طرف سے کیس کو تبھی درج کروں گا جب مجھے یہ علم ہو جائے کہ مارنے والا کون تھا اور اس کی ولدیت کیا تھی۔ ٹھاکر صاحب تو کہتے ہیں کہ اس نیلے سے ان کا اتنا ہی سمبندھ ہے کہ وہ ان کی گڑھی کی حویلی میں آجاتا ہے تو وہ اسے کھانا دے دیتے ہیں۔ وہ اسے اپنا پالتو ماننے کو تیار نہیں۔۔۔"(۲۰)

یہیں تک نہیں سیاست دان ٹھاکر نے یہ افواہ باقاعدہ ہجوم میں پھیلا دی تھی کہ محمود کے بیٹے نے جان بوجھ کر دھتورا کھلا کر نیلے کو پاگل کیا ہے اور اس نے تھانے دار کے سامنے اقرار بھی کر لیا ہے۔ اس بات سے مجمعے کا زور ٹوٹنے لگا تھا اور لوگ پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ تھانے دار نے بھی بازی پلٹتے دیکھ کر عوام کو مختلف قانونی دفعات سے ڈرا کر گھروں کو لوٹا دیا۔ محمود بھی چوں کہ اس سارے معاملے میں ڈر چکا تھا اس لیے اس نے بجائے کہ ناحق بہنے والے خون کا انصاف کرتا اور اپنے موقف پہ ڈٹ جاتا، فوت ہو جانے والے قاری کے خاندان کو ٹھاکر سے کچھ رقم دے دلا کر معاملہ دبا دیا۔ ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر کسی کو باہر پتہ چلا تو خوامخواہ تمھاری ہی بدنامی ہو گی اس لیے خاموشی سے رکھ لو۔ یہاں دونوں سیاست دان ذاتی مفاد کے لیے یک جا ہو گئے۔ اتنے بڑے واقعے کے باوجود ٹھاکر نیلے کی کارکردگی سے خوش تھا۔ وہ اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا تھا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک فتنہ ہے:

"وہ بہت سنجیدگی سے یہ بات سوچتے کہ ان جیسے صاحبِ دولت اور صاحبِ اقتدار کے پاس اس قسم کا ایک ہتھیار ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں کہ اس کچھ فتنے اسی لیے پالے جاتے ہیں کہ وہ برے وقت میں ساتھ دیں یا اچھے وقت کو اور بہتر بنائیں۔"(۲۱)

ٹھاکر اپنی شاطر طبیعت، قانون کی ملی بھگت اور نیلے کی طاقت کے سہارے سارے علاقے کی قسمت کا خدا بننے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ سرکاری کی جانب سے اسے جو کچھ میسر ہوتا، اسے وہ خاموشی سے ہضم کر جاتا۔ اس ڈر سے کہ کہیں شکایت نہ ہو، وہ اس کا انتظام احسن انداز میں کرتا اور اپنے پڑوس کے دو چار گھروں یا پھر گھر سے دور گاؤں کی سرحد پر بنے دو ایک گھرانوں کو بھی مراعات میں حصہ دار بناتا جس کی وجہ سے اسے کسی تفتیش یا پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا نہ ہی کوئی آواز اس کے خلاف اٹھ پاتی۔ لیکن یہ سلسلہ آہستہ آہستہ دم توڑنے لگا اور اس کے خلاف دبی دبی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ پہلی آواز خود اس کے اپنے ہی گھر سے اٹھی۔ بڑکی جس کی عزت اس کے بیٹے اونکار نے لوٹی تھی، اور اس کی بھابی کی خدمت میں رہتی تھی، اس نے دوبارہ سے اونکار کو قریب پایا اور یہ یقین کر کے کہ اس کی عزت لوٹنے والا اونکار ہی تھا، اپنے گذشتہ منگیتر کے ساتھ مل کر اسے قتل کروادیا اور اس کی بیگم کو اغوا۔ یہاں اچھنبے کی بات یہ تھی کہ نیلے کی موجودگی میں کوئی کس طرح حویلی میں داخل ہوا اور یہ سارا واقعہ پیش آیا؟ یہ بالکل ناممکن سی بات تھی۔ بڑکی نے نیلے کو قابو میں رکھنے کے لیے کچھ عرصہ قبل اسے کھلانا پلانا شروع کر دیا تھا اور ایک وقت ایسا آیا جب نیلے کی طاقت کا توازن اس کی جانب ہو گیا۔ جس وقت بڑکی کا گذشتہ منگیتر اور اس کا دوست اونکار اور اس کی بیوی کو اٹھا کر لے گیا اس وقت بڑکی اسے کھلا پلا رہی تھی۔ یہ نقطہ نہایت اہم ہے کہ طاقت کا توازن کس طرح پلٹتا ہے، وفاداریاں کس طرح تبدیل ہوتی ہیں اور کی جا سکتی ہیں۔ اونکار کو قتل کر دیا گیا اور اس کی بیوی کی عصمت دری کی گئی۔ اب نیلا ناقابلِ اعتبار ہو گیا تھا لیکن ٹھاکر کو اس میں اونکار کا روپ نظر آتا تھا۔ علاقے کا ہیڈ ماسٹر جو بہت سمجھ دار انسان تھا اس نے ٹھاکر کو پریشان دیکھ کر کہا تھا کہ بڑکی کی عزت نیلے نے لوٹی ہے لیکن وہ سمجھ نہ پایا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ ہیڈ ماسٹر، سکول اور اس کی تعلیم کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اس سکول کو بھی ختم کروا دینا چاہتا تھا لیکن عوامی رائے اور پسندیدگی کو بنائے رکھنے کی وجہ سے اسکول کو بمشکل تمام جاری رہنے دیا تھا۔ اس اسکول میں اکلوتا ایک ہی استاد سب بچوں کو پڑھاتا تھا۔ وہی ماسٹر تھا اور وہی ہیڈ ماسٹر۔ سکول ایک طرح سے محض نمائشی شے بنا ہوا تھا:

"ضلع کلکٹر اور شہر کے پڑھے لکھوں کو دکھانے کے لیے گاؤں میں سکول ضروری تھا اس لیے اسکول تھا۔ اسکول کا خرچہ گرام پنچایت اٹھاتی تھی۔۔۔ نمبر دار کو دیہات کے بچوں کی تعلیم بہت اکھرتی تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ سارے لونڈے جھنوں نے تعلیم پائی تھی ان سے اتنے خوش نہیں رہتے تھے جتنے وہ لونڈے جھنوں نے تعلیم نہیں پائی تھی۔"(۲۲)

بیٹی اور بہو کے واقعے کے بعد ٹھاکر کو کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی نظر میں نیلے کی قدر کم نہ ہوئی تھی کیوں کہ اس کے مطابق وہ اس کی دہشت اور دولت میں اضافے کا سبب بن رہا تھا۔ وہ ہر جگہ نظر آنے لگا تھا، ہر جگہ محسوس کیا جاسکتا تھا۔ وہ خود اونکار اور ٹھاکر تھا:

> "کھڑے کھڑے انھوں نے نیلے سے پیدا ہونے والی دہشت کو محسوس کیا اور اس دہشت کے سائے میں قطرہ قطرہ بڑھتی دولت اور انچ انچ بڑھتے اقتدار اور اختیار کو لقمہ لقمہ ہضم کیا۔"(۲۳)

> "نیلا اس وقت گڑھی میں تھا حالاں کہ در حقیقت وہ اس وقت قصبے میں تھا۔ وہ آموں اور امرودوں اور بیروں اور جامنوں کے ہر باغ میں تھا۔ قصبے کا ہر فرد سمجھ رہا تھا کہ نیلا کہیں اور نہیں خود اس کے دروازے سے لگا کھڑا ہے بس ذرا دروازہ کھلا اور۔۔۔"(۲۴)

ٹھاکر اور اس کے ارد گرد دیہات نیلے کے خوف میں مبتلا تھے۔ غلام معاشروں میں عموماً ظلم کو برداشت کرتے کرتے اسے سہنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور جب جابر کا مقابلہ کرنا بال کل ہی ممکن نہ ہو تو ظلم کو اپنی قسمت سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہی خوف کی نفسیات بھی ہے۔ نیلے کے حوالے سے بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔ سب اپنے اپنے تئیں اس کے غائب ہو جانے کے باوجود اس سے موت کے خوف میں مبتلا تھے۔ بہو دونوں بچوں کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے تھی، بوڑھا ہیڈ ماسٹر آنکھیں بند کیے ہوئے خوف زدہ تھا اور باقی سب لوگوں کے حالات بھی ایک ہی جیسے تھے۔

طاقت، دہشت اور وحشت کی علامت نیلا، اس قدر خطرناک ہو گیا تھا کہ ٹھاکر کے سوا سبھی کو اس سے خوف محسوس ہونے لگا تھا اور اس کا اظہار اس کے دوسرے بیٹے، بہو اور ان کے بچوں نے بھی کیا تھا لیکن وہ ان کی بات ماننے کو تیار نہ تھا کہ اسے جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ بغاوت کی یہ آواز بھی گھر ہی سے بلند ہوئی تھی۔ شہر کے کلکٹر کو نیلے کے خلاف متعدد درخواستیں موصول ہوئیں تو اس نے ٹھاکر بلا کر نیلے کو مارنے کا کہا تھا لیکن ٹھاکر نے ان سے کچھ وقت لے لیا تھا تا کہ اس عرصے میں اسے باندھ کر رکھے اور لوگ آہستہ آہستہ بھول جائیں۔ اس نے اسے اپنے ارہڑ کے کھیت میں باندھ دیا تھا تا کہ لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہے لیکن اس نے رسی تڑا کر پھر سے تباہی مچائی تھی اور ایک ہی رات میں بارہ مختلف جگہوں پر واردات کی تھی۔ ایس پی یہ بھی خیال تھا کہ یہ محض نیلے کی نہیں بل کہ اس جیسے دیگر نیلوں کی بھی شرارت ہے ۔اس کے بعد ایس پی اور کلکٹر نے اسے پاگل قرار دے کر مارنے کا حکم دیا تھا۔ پاگل قرار دینا بھی ایک طرح سے احتیاط تھی تا کہ شہر میں گئوماتا کے قتل پر فساد نہ پھوٹ پڑے۔ لوگوں کی بہت سی ٹولیاں نے آخر کار ٹھاکر اور نیلے کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے اور وہ اس کی تلاش میں نکلے کہ جہاں ملے اسے مار دیا جائے۔ ٹھاکر اسے پھر سے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن بچا نہیں پایا۔ لوگوں نے اسے لاٹھیوں سے پیٹتے ہوئے لہولہان کر دیا۔ نیلے کی ایک آنکھ ضایع ہوئی اور دوسری سے خون بہنے سے اسے دھندلا نظر آنے لگا۔ نیلا اندازے سے حویلی کی جانب بڑھا اور پچھلی دیوار سے اندر کود کر اس کے

دوسرے بیٹے کو بھی موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ بہو اور بچے بہت مشکل سے اپنی جان بچا پائے:

"بڑی بہو کا پیر ساڑی میں اٹکا اور وہ لڑکھڑا گئی۔ پیچھے سے آتا ہوا پرتاپ اس سے ٹکرایا اور رک گیا۔ بہو کمرے کے اندر داخل ہو چکی تھی اور پرتاپ نیلے کے سینگوں سے الجھا ہوا تھا۔ بڑی بہو اضطراری طور پر کمرے سے باہر آئی۔۔۔ مڑی تو دیکھا کہ نیلا اپنی پچھلی ٹانگوں پہ کھڑا ہوا اگلے کھروں سے پرتاپ کا سر پاش پاش کر چکا تھا۔"(۲۵)

بدمست نیلے نے ٹھاکر کا بھی خیال نہ کیا اور اسے بھی اپنے سینگوں سے مسلتے اور پیروں سے کچلتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لوگ اس کی تلاش میں آگے بڑھے لیکن وہ وہاں سے ہمیشہ کے لیے دور بھاگ چکا تھا، کسی اور استحصالی قوت کا بازو بننے، کسی کو روند ڈالنے اور اپنی طاقت کا خراج وصول کرنے کے لیے۔ ناول کا اختتام اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ استعماری و استحصالی قوتیں جس قدر بھی تیز ہوں، اگر لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو کامیابی کی جانب بڑھتے ہیں اور ایسی قوتوں کو شکست دے بنا امن کی زندگی جینا دیوانے کا خواب نظر آتا ہے۔ مجموعی طور پر ناول مابعد نو آبادیاتی دور کے مسائل کی خوبصورتی سے نمائندگی کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء، ص:۳۵-۳۶

۲۔ احمد سہیل، ردِ نو آبادیاتی تنقید، مضمون، مشمولہ: مابعد جدیدیت نظری مباحث، مرتب: ناصر عباس نیر۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۱۸۴

۳۔ یوسف نون، ممتاز کلیانی، مضمون: اردو ناول "نمبر دار کا نیلا" اور تشکیلی حقیقت مشمولہ متن، جلد نمبر ۳، شمارہ نمبر ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۲ء، ص:۲۳۳

۴۔ ایضاً، ص:۲۳۶

۵۔ احمد سہیل، ردِ نو آبادیاتی تنقید، مضمون مشمولہ: مابعد جدیدیت (نظری مباحث) مرتبہ: ناصر عباس نیر، ۲۰۱۸ء، ص:۱۸۳

۶۔ شاعری اور تخیل، محمد ہادی حسین، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص:۱۷۵

۷۔ صدام حسین، سید محمد اشرف کی ناول نگاری: امتیازات و خصوصیات، مقالہ مشمولہ: سمت آن لائن، شمارہ ۵۱، جولائی تا ستمبر ۲۰۲۱ء، ص:۴۱۴

۸۔ J. E. CIRLOT, A DICTIONARY OF SYMBOLS, Routledge & Kegan Paul Ltd, London, ۱۹۷۱, P:۶۵

۹۔ محمد اشرف، سید، نمبر دار کا نیلا، بمبئی: قلم پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص:۶

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۷

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۹-۲۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۲

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۵

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۹

۱۷۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۹۔ ایضاً، ص:۵۵

۲۰۔ ایضاً، ص:۵۸

۲۱۔ ایضاً، ص:۷۰

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۱۴

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۲۲

۲۴۔ ایضاً، ص:۱۰۶

۲۵۔ ایضاً، ص:۱۳۴